© rasailojaraid.com

یہ مقصد بھی نہیں تھا۔ چوں کہ کتاب مکالمے کے عمل کے تاریخی پہلوؤں سے بحث کرتی ہے، مکالمے کے مسائل کا فلسفیانہ اور دینیاتی جائزہ اِس کے دائرے میں شامل نہیں تھا۔

مسلمان قارئین کے لیے یہ کتاب مسیحی - مسلم مکالمے کی تفہیم کی بنیاد مہیا کرتی ہے، اور مسیحی قارئین کے لیے کتاب زیر بحث موضوع پر مسلمانوں کے نقطہ ہائے نظر کا بھرپور جائزہ پیش کرتی ہے۔

(ڈاکٹر خالد علوی / انگریزی سے ترجمہ: ادارہ)

بہ شکریہ ماہنامہ ''امپیکٹ''، (لندن)، ستمبر ۱۹۹۸ء

تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام

مصنف	:	قاری محمد طیب
ناشر	:	نعمان پبلشنگ کمپنی، اردو بازار - لاہور
صفحات	:	۲۵۱
ماہ و سالِ اشاعت	:	اکتوبر ۱۹۹۷ء
قیمت	:	مجلد، ۱۲۰ روپے

مولانا قاری محمد طیب مرحوم کی زیر نظر کتاب ۱۹۳۸ء کے آغاز میں پہلی بار شائع ہوئی تھی، جب عالم اسلام کی سیاسی تحریکیں حصولِ آزادی سے زیادہ امتِ مسلمہ کی فکری بیداری، باہمی اتحاد اور خود شناسی کی بحالی کے لیے کوشاں تھیں۔ مغربی اقوام نہ صرف عالمِ اسلام پر سیاسی تسلط رکھتی تھیں، بلکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ان کی پیش رفت اور ترقی سے دُنیا کی آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں۔ مولانا قاری محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند نے سامی مذاہب کے پس منظر میں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں کی سوچ، نیز اِس سوچ کے اسباب و عوامل پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی تھی کہ ان چاروں گروہوں میں صرف دو، یعنی مسلمان اور مسیحی ہی اِس قابل ہو سکتے تھے کہ ہمہ گیر ترقیوں کا میدان اُن کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہاتھ لگے۔ مسیحیوں اور مسلمانوں نے دُنیائے انسانیت کو علم و فن کے میدان میں بہت کچھ دیا ہے، دونوں کے مابہ الامتیاز تمدن ہیں، اور ان کے درمیان مقابلے کی کیفیت جاری ہے۔

مولانا مرحوم نے قرآن مجید کے حوالے سے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور نبی اکرمؐ کے معجزات اور زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "حضرت عیسیٰؑ کی مخصوص شان مصوری اور جان بخشی ہے" اور نبی اکرمؐ کی "مخصوص شان علم و حکمت" ہے (صفحات ۶ – ۷)، نیز "جس نبی کی جو شان غالب ہو گی، اُسی شان کا غلبہ اُس کی امت میں بھی ہو گا، اور جس رنگ کی ذہنیت مقتدائے اعظم کی ہو گی، وہی رنگ اُس ساری ملت کی ذہنیت میں رچا ہوا ہو گا (ص ۱۶)۔" مغرب کی مسیحی اقوام اِس لیے ایجادات میں آگے ہیں کہ اُن کے مقتداء حضرت عیسیٰؑ کے قول و عمل میں تصویری اور ایجادی شان غالب تھی۔ اِس کے بر عکس مسلمان ایک علمی امت ہیں جنھوں نے علم و حکمت کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جن سے دُنیائے انسانیت بشمول مغرب، نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان مولانا مرحوم نے جو تقابل کیا ہے، اِس سے اُن کا ذہن اور زور بیان دونوں نمایاں ہیں۔ اُن کے الفاظ میں:

> امت مسیحیہ کا رخ تو اپنے مربیؔ اعظم حضرت مسیحؑ کی تصویری و ایجادی تربیت کے ماتحت تصویر و ایجاد اور مادی اختراعات کی طرف ہو گیا اور امت مسلمہ کا رُخ اپنے مقتدائے اعظم حضرت محمدؐ کی علمی اور ادراکی تربیت کے ماتحت علمی انکشافات، حکم و معارف اور دقائق و حقائق معنویہ کی طرف ہو گیا۔ ایک قوم عالمِ مشاہد کی طرف جھک گئی اور ایک عالمِ غیب کی طرف بڑھ گئی۔ ایک نے مادیات کے خزانے کھولے اور ایک نے روحانیات کے سربستہ راز آشکار کیے اور یہ ظاہر ہے کہ مادیات اور اُن کی صورتیں جسمانی ہونے کے سبب آنکھوں سے دیکھنے کی چیزیں ہیں اور حقائق اور اُن کے باطنی الوان معنوی ہونے کے سبب علمی آنکھ یعنی فراست و عقل سے مشاہدہ کرنے کی چیزیں ہیں، اِس لیے قدرتی طور پر نصرانی امت اپنی صورت پسندیوں کی بدولت علم و خبر کے میدان میں حس سے آگے نہ بڑھ سکی اور مسلم قوم اپنی حقیقت دوستی کی بدولت علم و معرفت کی منزل مقصود پر جا پہنچی۔ وہ ہر ہر امر میں حسی مشاہدہ کی طالب ہوتی اور یہ ہر ہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جزو میں علمی ادراک کی دلدادہ رہتی ہے۔ وہ محسوسات میں گھستی ہے اور یہ معقولات و وجدانیات کی طرف دوڑتی ہے۔ وہ جزئیات میں رہ جاتی ہے، یہ کلیات واصول میں منہمک ہوتی ہے (ص ۷۰)۔

مسیحی اور مسلم امتوں کے درمیان ''مادہ اور علم'' کا تخصص بیان کرنے کے بعد مولانا مرحوم نے امتِ مسلمہ کی وسعتِ علم اور اِس سے مسیحی مغرب کے استفادے کا ذکر کیا ہے:

''آج بلاشبہ عیسائی امت ایک علمی امت کی صورت سے نمایاں ہو رہی ہے، لیکن انجیل کی بدولت نہیں، بلکہ اس استعداد کی بدولت جو قرآنی تعلیمات سن سن کر اُن میں بتدریج قائم ہوتی رہی (ص ۷۸)۔''

''مادہ'' اور ''علم'' میں اصل اہمیت ''علم'' کی ہے، تاہم ''مادہ و علم'' یا ''صورت و حقیقت'' کے درمیان جو ربط ہوتا ہے، وہی حضرت عیسیٰؑ و حضرت محمدؐ کے درمیان ہے۔ دونوں پیغمبرانِ خدا کے درمیان متعدد مخصوص مناسبتیں ہیں (صفحات ۱۱۴-۱۴۲)، اور مسیحی اقوام کے ہاتھوں جو تمدنی ایجادات ہوئی ہیں، اِن سے اسلامی تعلیمات کی تصدیق ہوتی ہے (صفحات ۱۵۲-۱۵۹)۔ مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان ایک دوسرے سے لگاؤ پایا جاتا ہے: ''مسلمان، اگر اُن کے تمدن پر مائل ہوتے ہیں تو اِس لیے کہ وہ انہی کے مذہب کی تصویر کا ایک حسّی اور مادی رخ ہے اور عیسائی اگر مسلمانوں کے تدین پر جھکتے آتے ہیں تو اِس لیے کہ اُس تصویری تمدن کا بطانہ اور حقیقت یہی مذہب اور اسی کے حقائق ہیں (صفحات ۱۶۳-۱۶۴)۔'' مگر حسی و مادی تمدن نے اخلاق تباہ کر دیے ہیں، انسانی جان بے حقیقت ہو کر رہ گئی ہے، معاشرتی مسائل نے زندگی اجیرن کر دی ہے۔ مولانا مرحوم نے اُس وقت کے اعداد و شمار سے استشہاد کیا ہے، اور آج ۱۹۳۸ء کی نسبت یہ مسائل کہیں زیادہ گھمبیر ہو گئے ہیں۔ شادی اور خاندان کا ادارہ شدید طور پر متاثر ہوا ہے، چوری اور ڈکیتی کے واقعات کئی گنا بڑھ گئے ہیں، تشدد نے وہ بلندیاں چھو لی ہیں، جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، اور خود سائنسی ترقیوں نے انسان اور اُس کی دُنیا کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

ان تلخ حقائق کے باوجود مغربی مسیحی اقوام آگے ہی آگے بڑھ رہی ہیں۔ مولانا مرحوم کا نقطہ نظر قدامت پسندانہ ہے۔ اُن کا تجزیہ ہے:

آج ضروریات زندگی پر سائنس کا قبضہ ہو چکا ہے، اس لیے سائنٹیفک وسائل سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے اعتنائی برتنا موت کے مترادف ہے۔ سو میرے نزدیک ضرورتِ سائنس کی بھی کوئی معقول اور مستحکم وجہ نہیں، جب کہ ---سائنس کی ان ہی موشگافیوں اور ان وسائل تمدن ہی نے دُنیا کی زندگی کو غیر مطمئن بنا کر طرح طرح کے خطروں میں مبتلا کیا ہے۔ --- آج کون سا دانش مند ہوگا جو ان مہلکاتِ زندگی کو ضروریاتِ زندگی سے تعبیر کرنے کی جرأت کرے گا؟ (ص ۲۰۸)

سائنسی ایجادات پر زندگی کا مدار نہیں، ان کو مقصود زندگی سمجھ لینا غلط محض ہے (صفحات ۲۰۸-۲۱۷)، مگر ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ شریعتِ اسلام نے دُنیا کے آخری دور میں ''دجال'' کے خروج کی اطلاع بھی دی ہے جو حسّی و مادی تمدن کا نتیجہ اور نچوڑ ہوگا، اور اِس کے ابلیسی فتنوں کا خاتمہ حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں ہوگا جو قربِ قیامت سے پہلے دُنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔

''تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام'' کے مخاطب بنیادی طور پر مسلمان ہیں اور ساری گفتگو اسلامی تناظر میں کی گئی ہے، اور خاتمہ کتاب میں مسلمانوں کے لیے ''تمدنی مصائب سے بچاؤ'' کا ایک پروگرام دیا گیا ہے (صفحات ۲۴۳-۲۵۱)۔ کتاب کے بنیادی نظریے یا اِس کے جزئیات سے اختلاف کرنے والے موجود ہوں گے، مگر یہ بات کسی شائبہ تردید کے بغیر کہی جاسکتی ہے کہ کتاب ایک از حد ذہین شخص کی کاوش ہے، جس کے جائزہ و تجزیہ سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے، مگر اُس کے اخذ کردہ نتائج کی داد دیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

کتاب اوّلین ایڈیشن کا عکس لے کر شائع کی گئی ہے، زیر نظر اشاعت میں اضافہ جناب ابو عمار زاہد الراشدی کا ''پیش لفظ'' ہے جس میں اُنھوں نے مصنف مرحوم اور موجودہ عالمی تناظر میں کتاب کی افادیت پر گفتگو کی ہے۔

(ادارہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

The Cross Questioned

مصنف : شیخ محمد حفیظ

ناشر : انٹر فیتھ پبلی کیشنز، ۳۵-سٹریٹ ۶۳، ایف۔۷/۳
اسلام آباد

اشاعت : ستمبر ۱۹۹۸ء

صفحات : ۸۸

قیمت : ۷۵ روپے

جناب مصنف نے بجا طور پر لکھا ہے کہ مسیحیت میں حضرت مسیحؑ کے صلیب پر جان دینے اور مُردوں میں سے اُن کے دوبارہ جی اٹھنے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اور مسیحیت اِس لحاظ سے ایک منفرد و یکتا مذہب ہے کہ دُنیا کا کوئی دوسرا مذہب محض ایک تاریخی واقعے پر مبنی نہیں، مگر واقعہ صلیب کے بارے میں مصدقہ اور غیر مصدقہ اناجیل اور دوسرے ذرائع سے جو معلومات سامنے آتی ہیں، یہ اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ سرے سے واقعہ ہی مشکوک ہو کر رہ جاتا ہے۔

جناب مصنف نے اولاً یہ سوال اُٹھایا ہے کہ جس شخص کو صلیب دی گئی تھی، کیا وہ واقعۃً مسیحؑ تھے؟ اِس سلسلے میں مختلف افراد کے نام لیے جاتے ہیں، جناب مصنف نے مختلف روایات بیان کر دی ہیں۔ اِس کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر صلیب دیے گئے شخص مسیحؑ ہی تھے تو کیا صلیب پر اُن کی موت واقع ہوئی تھی؟ اور تدفین کے بعد وہ جی اٹھے تھے؟ جناب مصنف نے جو "کتاب مقدس" پر گہری نظر رکھتے ہیں، واقعے کی تفصیلات میں اناجیل کے باہمی تضادات نمایاں کیے ہیں اور ایک سو ایک اشکالات پیش کیے ہیں۔

ضمناً جناب مصنف نے بعض دوسری اغلاط پر بھی گرفت کی ہے۔ مثال کے طور پر روم کے سینٹ پطرس گرجا میں مائیکل انجلو کا تخلیق کردہ ایک شاہکار ہے جس میں حضرت مسیحؑ کو مردہ حالت میں اپنی والدہ حضرت مریمؑ کی آغوش میں دکھایا گیا ہے، مگر یہ محض مائیکل انجلو کا تخیل ہے۔ تاریخی طور پر حضرت مریمؑ اُس وقت جائے وقوعہ پر موجود ہی نہیں تھیں، جب

© rasailojaraid.com